© rasailojaraid.com

ڈاکٹر برھان احمد فاروقیؒ کی سوانح افکار

"ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"

تحریر: خضر یاسین

بسیط درجے کی فکر کی اہلیت رب کائنات کا احسان عظیم ہے، جن لوگوں کو یہ حکمت ودانائی عطا ہوتی ہے ان کی تعداد بہت کم سی مگر ملت کا سرمایۂ افتخار یہی یکتائے روزگار نفوس عالیہ ہوتے ہیں۔ بسیط درجے کے غور وفکر کی خوبی مسائل اور ان کے حل کی آفاقیت ہوتی ہے۔ جہاں کہیں غور وفکر زمان ومکان سے بالاتر اور فقط انسان اور اس کی آفاقی امنگوں کو موضوع بناتا ہے بسیط ہوجاتا ہے زمانی مکانی محتوی کی تشکیل آفاقی آرزوئیں کرتی ہیں۔

ڈاکٹر برھان احمد فاروقیؒ مسلم تاریخ فکر میں نادر روزگار ہستی گزرے ہیں۔ آپ کے فکر کی خوبی آفاقیت۔ ملت اسلامیہ کی آفاقیت کے مسائل اور ان کا حل پیش کرنے میں رکھی ہے، موجودہ دور میں عامیانہ فکر کا غلبہ ہے۔ لوگوں کے مسائل نجی، انفرادی ہیں جس سے قوم کا مزاج انفعالی بن چکا ہے اس صورت حال میں اگر ایک فرد وحید اپنی نجی وانفرادی زندگی کے تمام مصائب و آلام سے بالاتر ہو کر فقط ملت اسلامیہ کی زبوں حالی کا درد سینے میں لئے ان اسباب وعوامل کو تلاش کرتا ہے جو زوال وانحطاط کا محرک ہیں، پھر اس پر غالب آنے کی تکنیک بیان کرتا ہے۔ اگرچہ پچھلی دو صدیوں سے مسلم دنیا کے دانش ور اس موضوع پر غور وفکر کرتے آئے ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق اسباب زوال اور ان کا تدارک بیان کر رہے ہیں تاہم ان سب میں ڈاکٹر فاروقی کا ایک ایسا امتیاز ہے جو کسی اور کا حصہ نہیں ہے، تمام مسلم مفکرین قرآن وسنت سے حل پیش کرتے ہیں، مگر قرآن وسنت ہی کو بطور حل کے پیش کرنا ڈاکٹر فاروقیؒ کا کام ہے، یہ مسلم فکر میں پہلی بار سامنے آیا ہے کہ قرآن کی حیثیت "حجۃ بعد الرسل" کی ہے اور قرآن پاک کی حجیت اس امر سے مشروط ہے کہ مابعد رسالت دور میں امت اس کمال پر فائز ہو کر رہے جو دور رسالت میں حاصل ہوا تھا۔ دور رسالت میں غلبۂ دین حق جن شرائط کے وقوع پذیر ہونے سے متحقق ہوا تھا ان کی جستجو کرنا اس عظیم مفکر کی پہلی اور آخری مشکل تھی یا مسئلہ تھا، کم وبیش پچاس سال تک غور وفکر کیا اور اس کا حاصل اپنی کتاب "منہاج القرآن" کی صورت میں پیش فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عامیانہ ذہنی سطح کے افراد کی یہ فطری مجبوری ہوتی ہے کہ وہ بسیط درجے کے فکر کو نہ سمجھ سکنے کا اعتراف کرنے کے بجائے اس کو غلط ثابت کرنے کی سعی نامسعود کرتے رہتے ہیں یا پھر اپنے غلط کار نفس کو مطمئن کرنے کیلئے ماضی کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں، یہی لوگ جب تک نظری سطح پر رہتے ہیں کوئی خاص مشکل پیدا نہیں کرتے لیکن جونہی اپنے کردار میں سوقیانہ روش اختیار کرتے ہیں تو ان عظیم المرتبت ہستیوں کی کردار کشی اذیت رسانی اور کرب انگیزی کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں، یہی کچھ ڈاکٹر برھان احمد فاروقی صاحبؒ کے ساتھ بھی ہوا۔ آج تک ڈاکٹر صاحب کے فکر پر کیے جانے والے اعتراضات کی وقعت سوائے نادانی کے یا پھر جاہلانہ تعصب کے کچھ نہیں رہی ہے۔ قبل اس کے کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور فکر کا تعارف پیش کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راقم الحروف اپنا اس کریم المرتبت ہستی سے تعلق بیان کردے۔

فدوی روایتی علوم سے فارغ التحصیل ہے۔ ستمبر ۱۹۹۱ء سے لے کر ڈاکٹر صاحب مرحوم کے آخری دم یعنی ۴! ۔ جولائی ۱۹۹۵ء تک آپ کی خدمت میں شب و روز گزارے ہیں۔ قبلہ استاد محترم کی انتہائی خاص توجہ کا مرکز رہا ہے۔ فدوی کی طلب استاد محترم کے منہاج جستجو کو سمجھنے اور مذہب ور فلسفہ کے بنیادی مسائل کو سیکھنے تک محدود رہی۔ قبلہ استادِ محترم کے قدموں کے تصدق یہ اعزاز نصیب ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے چند خاص احباب سے فرمایا جنھوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ خضریسؔ کی وجہ سے مجھے یہ اندیشہ نہیں رہا کہ اگر میں نہ رہوں تو جو میں نے سوچا ہے وہ ضائع ہو جائے گا۔ ان چار سالوں میں آپ کی شخصیت کو جو کچھ پایا وہ آسانی کے ساتھ سپرد قلم کرنا اس لئے ممکن نہیں ہے کہ ڈر ہے ان کی شخصیت کا عشر عشیر بھی میری انتہائی سعی کے باوجود بیان نہیں ہو پائے گا۔ بلکہ محترم شمس رضا خان کے بقول آپ کی شخصیت نہ کتابوں سے جانی جاسکتی ہے نہ تذکروں سے سمجھی جاسکتی ہے۔ آپ کی شخصیت کا اگر ادراک ممکن ہے تو چند لمحوں کی رفاقت سے اور بس اور اب چونکہ یہ شرط کسی طور پر ممکن نہیں رہی اس لئے تعارفی کلمات پر قناعت کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت کے کارہائے نمایاں پر ہمارے استاد بھائی جناب قاضی کفایت اللہ ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ تفصیلی حالات تو اس میں پڑھیے گا۔ یہاں پر آپ کی شخصیت کا مختصر اور آپکے فکر کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر برہان احمد فاروقیؒ جیسا کہ فاروقی سے ظاہر ہو رہا ہے حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے تھے برعظیم میں آپ کے آباواجداد کب تشریف لائے اس کا صحیح اندازہ نہیں ہے اندازہ ہے کہ تجارت یا تبلیغ کی غرض سے ۱۰ ویں صدی عیسوی میں وارد ہوئے ہونگے۔ آپ کی خاندانی روایت کے مطابق حضرت بابافرید گنج شکرؒ ۱۲ویں دادا ہیں۔ حضرت باباصاحبؒ کی اولاد میں شیخ نظام الدین رنتھام بھوری معروف ہستی گزرے ہیں جو قلعہ رنتھام بھور میں حضرت گنج شکرؒ کے صاحبزادے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرخ شاہ قابلیؒ بھی ڈاکٹر صاحبؒ کے آباؤ اجداد سے تھے۔ برعظیم میں شیخ نظام الدینؒ نے شیر شاہ سوری کی مدد کی تھی۔ شیر شاہؒ نے اس صلے میں آپ کو ۸۰ گاؤں بطور انعام کے عطا کئے، یوں آپ کا خاندان خوشحال خدا پرست اور فقیر منش چلا آرہا تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کے دادا محترم کا نام بشیر احمد تھا۔ بشیر احمد صاحب کے پانچ صاحبزادے تھے جن میں تیسرے جناب حسنین احمد تھے۔ حسنین احمد صاحب کی پیدائش ملتان میں ہوئی۔ ملتان ہی میں شادی کی۔ جناب حسنین احمد صاحبؒ کے تین بیٹے سلطان احمد، برہان احمد اور سبحان احمد اور دو بیٹیاں تھیں۔ ڈاکٹر برہان احمد صاحبؒ کے متعلق خاندانی روایت یہ ہے کہ ۱۹۰۴ء میں ملتان میں پیدا ہوئے جبکہ خود ڈاکٹر صاحبؒ کی زندگی میں شائع ہونے والی کتاب میں درج ہے کہ آپ امروہہ میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ برہان احمد فاروقی کے والد محترم ملتان میں تحصیل دار تھے کچھ عرصہ سروس کی اور پھر چھوڑ کر امروہہ مراد آباد اپنے آبائی قصبے چلے گئے۔ وہاں پر انہوں نے اپنی زمینیں سنبھال لیں جب تک وہ ملتان سروس کرتے رہے برہان احمد ملتان میں تعلیم حاصل کرتے رہے پہلی سے لے کر جماعت چہارم تک ملتان ہی میں پڑھا پھر امروہہ ضلع مراد آباد میں مڈل پاس کیا اور پھر وہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ جب آپ میٹرک پاس کر چکے تو والد محترم کا خیال تھا کہ جاگیر کی دیکھ بھال آپ کو سونپی جائے جبکہ برہان احمد میں طلب علم کا داعیہ تقاضا کرتا تھا کہ تعلیم حاصل کی جائے۔ آپ نے والد محترم سے کہہ دیا کہ وہ نہ نوکری کریں گے اور نہ کوئی دوسرا کام اختیار کریں گے بلکہ فقط تعلیم حاصل کریں گے۔ اس پر والد صاحب خفا ہو گئے۔ اسی دوران آپ کی دوستی مراد آباد کی معروف علمی شخصیت ابو النظر رضوی صاحبؒ سے ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا ابو النظر رضوی صاحب کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ جناب رضوی گھر تشریف لے گئے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیس ہزار روپے نقد لاکر ڈاکٹر صاحبؒ کے سامنے رکھ دیے اور کہا کہ ان کو امپیریل بنک میں جمع کرادو اور اس سے ویزا ٹکٹ اور دیگر اخراجات پورے کر کے جرمنی چلے جاؤ اور وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے جب واپس آؤ گے تو یہ لوٹانا نہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے میرے دل میں خیال آیا کہ اگر کوئی چال باز ہوتا تو وہ رقم لیکر ابھی چمپت ہوجاتا لھذا میرا طرز عمل اس سے مختلف ہونا چاہیے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ جب میں طلب کروں تو اس وقت دیجیے گا۔ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے میرے اس جواب پر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہنے لگے جب آپ طلب کریں گے اس وقت جو کچھ ہوگا وہ بھی حاضر کردوں گا۔ یہ بات ۱۹۲۰-۱۹۲۲ء کی ہے۔ والد صاحبؒ کی خفگی کے باوجود ڈاکٹر صاحبؒ مراد آباد سے لاہور آگئے اور یہاں پر ایک ہندو فلاحی تحریک دیو سماج کے زیر انتظام ایک کالج میں داخلہ ملا۔ یہ لوگ منکر خدا تھے اور فضائل اخلاق پر اصرار کرتے تھے۔ اس کالج میں روزانہ ایک گھنٹہ انکار خدا پر لیکچر سننا لازم تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس صورت حال کے پیش نظر میں علامہ اقبالؒ سے ملا اور ان کی خدمت میں گذارش کی کہ مجھے یہ مشکل درپیش ہے۔ لھذا آپ مہربانی فرما کر میرے لئے کسی اسلامیہ کالج میں داخلے کی سفارش کردیں۔ علامہ اقبالؒ نے کہا بہت سارے اور مستحق طلباء ہیں لہذا آپ ادھر ہی پڑھئے۔ ڈاکٹر فاروقیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں انکار خدا پر جو دلائل سنتا تو میرے دل میں یہ خیال جاگزیں رہتا کہ اگر فلسفے میں فلسفی طب میں طبیب اور ادب میں شاعر و ادیب کی بات سند ہے تو مذہب میں سوائے صاحب مذہب کے کسی کی بات سند کا درجہ نہیں رکھتی۔ اور دلائل کے بارے میں یہ سوچ رکھتا تھا کہ جب میں اپنے اندر خود اہلیت پیدا کرلونگا تو غور و فکر کروں گا۔ یہیں سے آپ نے انٹر کا امتحان پاس کیا، اور پھر علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلے کی سعی فرمائی۔ جن دنوں ڈاکٹر فاروقی علی گڑھ یونیورسٹی میں گریجویشن کے طالب علم تھے مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے صدر ایشیاء کے عظیم نامور فلسفی ڈاکٹر سید ظفر الحسن تھے سال دوم میں ڈاکٹر ظفر الحسن اخلاقیات پڑھاتے تھے دوسرے سال میں ڈاکٹر ظفر الحسن کی نگاہ رسا نے اس نوعمر سنجیدہ طبیعت اور عالی ظرف طالب علم کو تاڑلیا اور برھان احمد فاروقی کے ساتھ غیر معمولی شفقت اور محبت فرمانے لگے۔ ڈاکٹر ظفر الحسن آکسفورڈ سے ڈی فل اور ارلانگن یونیورسٹی جرمنی سے پی ایچ ڈی تھے، ان کا تعلق فکر کی اس منہاج سے تھا جس کا بانی جرمن مفکر اعمانویل کانٹ (

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Ammanewel Kant) تھا۔ کانٹ کا فکر مغرب و مشرق کے قدیم مفکرین کا نچوڑ تھا۔ ایشاء میں اس فکر کی نمائندگی صرف ڈاکٹر حسن کر رہے تھے۔ ڈاکٹر برھان احمد فاروقی ؒ نے فلاسفی میں ایم اے کیا اور ہوسٹل میں قیام کے دوران ۱۰ گھنٹے ہوسٹل میں گزارتے اور باقی سارا وقت اپنے استاد محترم کے ہاں صرف ہوتا۔ ڈاکٹر فاروقی فرماتے تھے کہ میری تمام تر توجہ اس امر پر مرکوز رہی کہ اس (Method) کو سمجھوں جس سے ڈاکٹر حسن ؒ اپنے مسائل حل کرتے ہیں، جب وہ منہاج سمجھ میں آگیا تو میں جو مسئلہ بھی حل کرتا ڈاکٹر حسن ؒ اس کو اپنا لیتے گویا فکر کے نتائج میں اشتراک آچکا تھا۔ جن دنوں ڈاکٹر فاروقی ؒ ایم اے کا امتحان پاس کر چکے تھے یعنی ۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال ؒ نے ڈاکٹر ظفر الحسن ؒ کو خط لکھا کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ کانگریس مسلمانوں کے ملی تشخص کو ختم کرنے کیلئے آگے چل کر وحدت الوجود کا سہارا لے گی جس طرح کہ اکبر نے دین الٰہی کے فروغ کیلئے لیا تھا۔ لھذا شیخ مجدد ؒ کے نظریۂ توحید پر اعلیٰ درجے کی تحقیق کرائی جائے اور اس کام کیلئے آپ اپنے کسی طالب علم کو تیار کریں، علامہ کی تجویز پر ڈاکٹر ظفر الحسن ؒ نے برھان احمد فاروقی ؒ کا انتخاب کیا اور اس اہم ترین کام کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی، اس تحقیق کی اہمیت کا اندازہ لگانا اہل نظر کیلئے مشکل نہیں کہ اس پر برعظیم کے مسلمانوں کے ملی تشخص کی بقا منحصر تھی۔ یہ تحقیق شروع کر دی گئی۔ ڈاکٹر حسن خود نگران تھے۔ علامہ کو اطلاع کر دی گئی کہ آپ کی تجویز پر عمل ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر فاروقی فرماتے تھے کہ دو سال تک تحقیق و تفکیر سے میں جس نتیجے پر پہنچا وہ یہ تھا کہ توحید وجودی شیخ اکبر اور توحید تنزیہی شیخ مجدد ؒ ہر دو کے بقول ان کے ذاتی کشف کا نتیجہ ہیں، تو کوئی صاحب کشف ہی ان پر حکم بن سکتا ہے۔ میں حکم کیونکر ہو سکتا ہوں؟ کافی غور و فکر کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ یہ کام میں نہیں کروں گا۔ فرماتے تھے جب میں نے اپنے فیصلے سے استاد محترم کو آگاہ کیا تو وہ ازراہ شفقت انتہائی ناراض ہوئے اور فرمانے لگے وجہ بیان کرو۔ میں نے کہا شیخ اکبر اور شیخ مجدد کے موقف ذاتی کشف کا نتیجہ ہیں، اس پر حکم کیونکر بنا جا سکتا ہے؟ تو جواب میں انہوں نے فرمایا کہ یہ تم کو ہی کرنا ہے اور تمہیں کرنا ہی پڑیگا۔ چنانچہ ڈاکٹر حسن ؒ نے یہ اہتمام کیا کہ شیخ مجدد کے رام پور کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادہ پیر مصباح الدین صاحب کو زحمت دی ان کے تمام مصارف اپنے ہاں سے ادا کیے اور انہیں اپنے ہاں مسلم یونیورسٹی میں رکھا۔ کوئی دو سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک وہ ڈاکٹر فاروقیؒ کی تربیت فرماتے رہے اور آخر میں آپ کو چاروں سلاسل کی خلافت دی۔ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے خلافت اس شرط پر قبول کی تھی کہ پیری مریدی نہیں کروں گا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں بہت سی اللہ کی مخلوق اس کام میں لگی ہوئی ہے۔ آپ بس مسلم فکر کو غیر اسلامی تصورات سے پاک کرنے کی سعی کریں۔ پیر مصباح الدین کی صوفیانہ تربیت کے نتیجے میں ڈاکٹر فاروقی صاحبؒ کی وہ خلش دور ہو گئی۔ ڈاکٹر فاروقیؒ کے مقالے میں بڑے گرانقدر حقائق کو پیش کیا گیا ہے۔ جن سے قبل نہ تو شیخ مجدد کے نظریے کا صحیح فہم حاصل تھا اور نہ توحید وجودی کے مقابلے میں توحید تنزیہی کی حیثیت واضح تھی۔ اس مقالے کے مقدمے میں ایک عظیم الشان اور بسیط درجے کی بحث ہے جس میں توحید مذہبی کو توحید نظری سے آٹھ خصائص کی بنا پر متمیز کیا گیا ہے۔ یہ تاریخ فکر میں اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ فقط اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان خصائص کو سن کر علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ "فکر انسانی کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ میں ان امتیازات کو آپ کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا" اس مقالے میں آپ نے یہ حقیقت بھی واضح فرمائی کہ وحدت الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کا نظریہ شاہ ولی اللہؒ نے پیش فرمایا جب شاہ صاحبؒ شیخ اکبر اور شیخ مجددؒ کے مابین تطبیق پیدا کرتے ہیں تو وہ وحدت الشہود کا نظریہ تشکیل فرماتے ہیں۔ حالانکہ شیخ مجدد توحید وجودی کے مقابلے میں توحید تنزیہی کا مؤقف اختیار فرماتے ہیں، اور وحدت الوجود کے تعلق میں شیخ مجدد یہ فرما رہے ہیں کہ ارباب وجودی جس کو حقیقت نفس الامری قرار دے رہے ہیں (یعنی عالم خارجی) وہ شہود محض ہے اور ادراک حقیقت نفس الامری ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ شیخ مجدد شروع میں عالم خارجی کو ظل قرار دیتے رہے مگر آخر الامر یہاں پہنچے کہ

ھو اللہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء

ڈاکٹر فاروقیؒ کی یہ پہلی فلسفیانہ سعی تھی، مگر اس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ شعور مذہبی کی تحلیل اس قدر دقت نظری سے کی گئی ہے کہ گویا اس میں مذہب کا کامل ترین احصاء ہوتا ہے، پھر استدلال کی بنیاد احتجاج نہیں بلکہ انتزاع ہے قاری پڑھتے ہی محسوس کرتا ہے کہ گویا انسان کی بہت ہی گہری اور آفاقی آرزو کو پیش کیا جا رہا ہے۔ علامہ نے ملت اسلامیہ کے تشخص کی بقاء جس کام میں محسوس کی ڈاکٹر فاروقیؒ نے اس کو کماحقہ کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھادیا۔ یہ نظریہ توحید تنزیہی ہی ہے جو ایک جانب تو ملت اسلامیہ کے تشخص کی بقاء کی ضمانت بنا ہے اور دوسری جانب جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کیلئے ایک آزاد ریاست کے مطالبے کو جائز بناتا ہے، اس مختصر اور جامع مقالہ میں ہر قسم کی غیر ضروری مباحث سے کلی طور پر اجتناب برتا گیا ہے۔ یار لوگوں کو احتجاج اور انتزاع کے مابین جب امتیاز سمجھ میں نہ آسکا تو مقالہ پر بے سروپا اعتراضات وارد کئے۔ ڈاکٹر فاروقی کے اس مقالے کو عالمی سطح پر سراہا گیا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ ان کے بیرونی ممتحن راناڈے ایک ہندو پروفیسر تھے جو الہ آباد یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ کے صدر تھے، انہوں نے وائیوا (Viva) پوچھا کہ اگر مذہبی واردات سے توحید نظری اور توحید مذہبی دونوں متحقق ہوجائیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟ استاد صاحب فرماتے تھے میں نے کہا شخصیت کی نفی لازم آتی ہے۔ ڈاکٹر فاروقی کی یہ پہلی فلسفیانہ سعی مذہب کی راہ تھی اور پھر اس کے بعد ان کے مسائل کی نوعیت بہت ہی منفرد اور متمیز ہو گئی۔

ڈاکٹریٹ ۱۹۳۷ء میں کیا اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی میں ہی پڑھاتے رہے اور اسی دوران آپ نے علامہ اقبال کے خطبات پر انتہائی عالمانہ تنقید لکھی۔ مسلم یونیورسٹی میں بھی خطبات اقبال پڑھاتے رہے، پاکستان بننے سے قبل جالندھر میں پڑھاتے رہے، ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں قائداعظم علی گڑھ تشریف لائے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کیونکہ مجھے ملاقات کیلئے بہت کم وقت دیا گیا تھا اس لئے میں نے عرض کی کہ مجھے آپ کی ملاقات کیلئے بہت محدود وقت دیا گیا ہے۔ میرا ایک سوال ہے آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا: پوچھو! میں نے کہا آپ جو فرماتے ہیں کہ مسلمان مسلم لیگ کے تحت منظم ہوجائیں تو تنظیم تو ایک ذریعہ ہے۔ غایت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا "آئینی طریقہ کار کے ذریعہ کامل ترین آزادی ہند کیلئے" ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے میں نے دریافت کیا۔ کیا کانگریس کے بعد مسلم لیگ کا کوئی جواز ہوسکتا ہے؟ اس پر وہ فرمانے لگے کہ مارچ ۱۹۴۱ء یا ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگرز کی کانفرنس ہورہی ہے آپ اس سے پہلے ان سے ملیں اور اپنا موقف بیان کریں، ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے میں مختلف مسلم لیگی رہنماؤں سے ملا اور ان سے اس مسئلے پر بات کی، آخر الامر مسلمانوں کے سیاسی نصب العین کو متعین کرنے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل پائی جس کا اجلاس آج تک نہ ہوسکا۔ قیام پاکستان کی تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں قیام پاکستان سے قبل جن مسلم دانش وروں نے مسلم امہ کو غایت کا شعور دینے اور ان کی حقیقی رہنمائی کرنے میں جدوجہد کی ڈاکٹر فاروقیؒ باوجود نوعمری کے ان راہنماؤں میں شامل رہے۔ قیام پاکستان پر آپ مہاجرین کی بحالی کے ادارے میں ڈپٹی ری ہیبٹیشن کمشنر کے طور پر کام کرتے رہے۔ بے نفسی اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ اپنے لئے یا اپنے خاندان کے کسی فرد کیلئے نہ کوئی مکان الاٹ کرایا اور نہ ہی کوئی (Claim) داخل کیا باوجود اس کے کہ ان دنوں ڈاکٹر فاروقیؒ کا اپنا کوئی گھر نہیں تھا، آپ کے بچپن سے اپنے ماموں کے گھر میں رہتے تھے، عطا محمد خان لغاری ری فیوجی کمشنر تھے۔ جب ڈاکٹر فاروقیؒ کے استاد محترم جناب ڈاکٹر سید ظفر الحسن قیام پاکستان پر لاہور میں آئے تو شومی قسمت کا اندازہ لگائے کہ ظفر الحسن کے قیام کیلئے گھر نہیں دیا گیا۔ اپنے استادِ محترم کی یہ بے قدری ڈاکٹر فاروقیؒ سے نہ دیکھی گئی۔ انھوں نے لغاری صاحب سے کہا، آپ کو یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ میں مہاجر ہونے سے پہلے کسی غریب خاندان سے نہیں ہو سکتا، لہذا میں لکھ کر دیتا ہوں کہ کسی قسم کا کلیم داخل نہیں کراؤں گا۔ آپ میرے استادِ محترم ڈاکٹر ظفر الحسن کو مکان الاٹ کر دیں۔ ڈاکٹر فاروقیؒ کی اس قربانی کا صلہ عطا محمد خان لغاری نے ڈاکٹر حسن کو کوئنز روڈ پر ایک کوٹھی الاٹ کر دی اور ڈاکٹر فاروقیؒ کو واقعتاً محروم کر دیا۔ داد دینی چاہیے سردار صاحب کی ذہانت اور دیانت کو۔ بعد ازیں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اسلامی تحقیق کے شعبہ کے سربراہ کے طور پر کچھ عرصہ کام کرتے رہے۔ قیام پاکستان سے قبل اسلامیہ کالج جالندھر میں تدریس کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ پاکستان میں ڈاکٹر فاروقیؒ پر عرصۂ حیات اس وقت تنگ ہونا شروع ہو گیا جب لاہور سے شائع ہونے والے ایک انگریزی اخبار کے اداریہ میں ایڈیٹر نے بجا طور پر یہ لکھ دیا کہ علامہ اقبال کے تصور سے ہمیں ایک آزاد ریاست تو مل گئی ہے لیکن ایک نوزائدہ ریاست میں پیدا ہونے والے مسائل اور ان کے حل کی استعداد یہاں، ڈاکٹر فاروقیؒ میں ہی ہے، اور ان کے سواء کوئی دوسرا اس کام کا اہل نہیں ہے۔ اس کے بعد سے ان پر ہر قسم کی زیادتی ہونی شروع ہو گئی۔ اور شعوری جدوجہد سے نہ تو انہیں کوئی ان کے شایان شان منصب دیا گیا اور نہ ان کی تحقیق کیلئے کوئی مناسب اشاعت کا بندوبست کیا گیا، بلکہ کوشش کی جاتی رہی کہ ڈاکٹر فاروقیؒ کے انقلابی نظریات کی نشرواشاعت حتی الامکان نہ ہو سکے۔ اس سب کچھ کے باوجود وہ حقیقی مفکر اپنے مسائل اور ان کے حل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصروف رہا۔معاشی بدحالی نام نہاد اپنوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں، اذیت رسانیوں اور کرب انگیزیوں نے ان کا راستہ نہ روکا۔وہ مصروف عمل رہے۔

ڈاکٹر برھان احمد فاروقیؒ ایم اے او کالج لاہور کے وائس پرنسپل رہے۔اپریل ۱۹۶۵ء میں ایک سازش کے تحت انہیں استعفیٰ دینے پر مجبور کردیا گیا۔مئی ۱۹۶۵ء میں آپ کراچی تشریف لے گئے۔مولانا فضل الرحمان انصاری کے مرکز اسلامی میں تقریباً ایک سال تک پرنسپل کے فرائض انجام دیئے۔۱۹۶۶ء میں اسلامیہ کالج کراچی میں لیکچرز کی بنا پر پڑھاتے رہے۔۱۹۷۰ء میں لاہور واپس تشریف لائے۔پنجاب یونیورسٹی میں لیکچرز پر پڑھایا۔غور طلب امر یہ ہے کہ پنجاب یونیورسٹی میں ڈاکٹر فاروقی کیلئے مستقل بنیادوں پر کام کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔اسی دوران علماء اکیڈمی اوقاف میں بھی لیکچرز دیتے رہے۔۱۹۸۶ء میں حکومت پاکستان نے آپ کیلئے ستارہ امتیاز کا اعلان کیا اور اس کے ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات سے تاحیات منسلک رہے جہاں سے آپ کو3,850/00روپے ماہوار وظیفہ ملتارہا۔

ڈاکٹر فاروقیؒ کی پہلی کتاب "شیخ مجدد کا نظریۂ توحید" کا انگریزی ایڈیشن قیام پاکستان سے قبل شائع ہوچکا تھا بعد میں آپ کی دو کتابیں "منہاج القرآن" اور "قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل" جناب سراج منیر مرحوم کی سعی سے شائع ہوئیں یہ دونوں کتابیں ادارہ ثقافت اسلامیہ نے اس وقت شائع کی تھیں جب جناب سراج منیر صاحبؒ ادارہ مذکورہ کے صدر تھے۔

ڈاکٹر فاروقیؒ کے فکر کا پس منظر

ڈاکٹر فاروقیؒ کی پوری تعلیم جدید نظام تعلیم کے تحت ہوئی۔بالخصوص میٹرک کے بعد دیوسماج کالج لاہور اور پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کسی جگہ بھی مروج کلاسیکی یا قدیم نظامِ تعلیم سے ان کا واسطہ نہیں پڑا۔اسی وجہ سے وہ ہمیشہ عالم دین ہونے سے انکار کرتے رہے۔مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مولانا سلیمان اشرف سے درس قرآن لیتے رہے۔فرمایا کرتے تھے کہ مولانا بڑے دبدبے اور حشمت و جلال والے آدمی تھے، اور یونیورسٹی کی جامع مسجد میں عصر کی نماز کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے، تو جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طالب علم اس درس میں شرکت کرتے انہیں اپنا شاگرد بناتے، مولانا کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کسی بات پر یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر راس مسعود نے کہہ دیا کہ میں کسی کی سفارش قبول نہیں کرتا بلکہ اپنے ضمیر کے فیصلے پر عمل کرتا ہوں، مولانا ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ مسعود تم نے کیا کہا؟ کیا تمہارا ضمیر اس قدر تربیت یافتہ ہے کہ تم اس کے فیصلے پر عمل کرو۔ سر راس مسعود نے معافی مانگ لی۔ مولانا نے اپنے پسندیدہ طلباء کیلئے اپنی جانب سے نام رکھے ہوئے تھے اور انہی ناموں سے پکارا کرتے تھے۔ ڈاکٹر فاروقی صاحبؒ فرماتے تھے کہ مولانا نے ان کا نام فیلسوف رکھا ہوا تھا۔ اور فیلسوف کہہ کر پکارتے، ایک مرتبہ دوران درس مولانا نے ایک نعتیہ شعر پڑھا ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے وہ شعر سن کا مجھے سخت انقباض پیدا ہوا۔ شعر یہ تھا:

صنمے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادہ
چمنے کہ تا قیامت گل او بہار بادہ

میں نے مولاناؒ سے پہلے گستاخی کی معافی مانگی اور عرض کی کہ صنم کا لفظ نبی اکرم ﷺ کیلئے سوء ادب ہے۔ عرض کرنے کا مطلب ہے کہ درس نظامی کی تعلیم حاصل نہیں کی انٹر تو منکرین خدا کے ہاں پاس کیا، جس کا ذکر کیا جاچکا ہے مگر گریجویشن مسلم اساتذہ کے ہاں کی۔ ایم اے میں آپ کو اخلاقیات ڈاکٹر ظفر الحسنؒ پڑھاتے رہے۔ یہیں پر آپ کی تمام تر توجہ ڈاکٹر ظفر الحسنؒ پر مرکوز ہو گئی۔ معاصر فکر و فلسفہ میں ڈاکٹر ظفر الحسنؒ کے فکر کی انتہاء کو نہ سمجھنے والا ڈاکٹر فاروقیؒ کے فکر کی ابتداء تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔

صورت حال یہ ہے کہ جدید فلسفے کا آغاز فرانسیسی مفکر ڈیکارٹ سے ہوتا ہے۔ فلسفہ جدید کی چند اہم ترین خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ یہ واضح اور صحیح نتائج پر مصر ہے اس غایت کیلئے "منہاج" کو ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ فلسفیانہ نقطہ نظر کے لحاظ سے منہاج ایک فنی اصطلاح ہے۔ اس کا عمومی استعمال اور ہے جبکہ فلسفہ میں اس کے بہت خاص معنی ہیں۔ جب فکری مسائل کو حل کرنا مطلوب ہوتا ہے تو نتائج کی وحدت اشتراک فی العلم کی مظہر ہوتی ہے، اسی اشتراک کے باعث نمونہ علم میں یکسانی پیدا ہوتی ہے، نتائج فکر کی وحدت کو حاصل کرنے کیلئے منہاج (Method) کو اپنایا جاتا ہے۔ منہاج یہ ہے کہ ایک مفروضہ ہوتا ہے جسے بطور مسلمہ قبول کیا جاتا ہے۔ یہ بنیادی اصول ہوتا ہے۔ دوسرا مرحلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل کو حل کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ جس میں بنیادی اصول کی روشنی میں مسائل حل کیے جاتے ہیں مثلاً عقلیت(Rationalism) ایک "منہاج " ہے بنیادی اصول یہ ہے کہ عقل واحد ذریعہ علم حقیقت ہے، چنانچہ مسائل کے حل میں فقط ان امور کو حقیقت تصور کیا جائے گا۔ جو مدرکات عقل کی صفات کے حامل ہوں گے نتیجہ۔ اس منہاج کی نمائندگی تین نامور مفکرین نے کی۔ یعنی ڈیکارٹ، اسپنوزا اور لائبیز، لیکن نتائج میں اختلاف نہیں تضاد سامنے آیا۔ یہی امر عقلیت کے درست نہ ہونے کی دلیل تھا۔ اس کے مقابلے میں حسیت بطور منہاج سامنے آئی، اس کا بنیادی اصول یہ ہے۔ حواس واحد ذریعہ علم حقیقت ہیں چنانچہ حقیقت فقط محسوس ہے اور معقول نہیں ہے۔ اگرچہ حسیت بھی عقلیت ہی کا ایک رخ ہے جسے آپ سلبی کہہ سکتے ہیں۔ تاہم اس پر اصرار کرنے والے فلاسفہ میں نمایاں نام لاک اور برکلے ہیں۔ لیکن جونہی آپ محسوس کی معقولیت کو رد کریں گے آپ قضیۂ علمیہ کی کلیت اور لزوم سے دستبردار ہو جائیں گے، قضیہ علمیہ کی عدم حتمیت اس کو قضیہ علمیہ نہیں بلکہ اسے وہم اور خیال بنادے گی۔ دوسری جانب یہ خرابی پیدا ہوئی کہ ہیوم نے آکر عقل کی ادعائیت پر اپنی تشکیک سے وہ ٹھوکر لگائی کہ تاریخ فکر اس کی نظیر شاید پیش کرسکے۔ اس سب کچھ کے باوجود حسی منہاج کے علمبرداران نتائج کی وحدت فراہم کرسکنے سے قاصر رہے۔ مگر ہیوم کے اس سوال پر کہ آخر عقل کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ حکم لگائے کہ منظور علت ہے یا معلول ۔ یہ محض تقدم وتاخر ہے جس کو بار بار دیکھنے کی وجہ سے ہماری عادت بن گئی ہے بہر حال ان دو کے مابین کوئی ربط نہیں ہے۔ یہ دراصل عقل کی اس ادعایت کو چیلنج تھا کہ حسی وجود سے ماوراء کے بارے میں کی جانے والی بات کی صحت مشکوک نہیں بلکہ واقعیت سے محروم ہے۔ ہیوم نے بجا طور پر اس امر کی جانب متوجہ کیا کہ علت اور معلول کسی طور پر بھی قضیہ تحلیلہ نہیں ہوسکتے۔ اندریں صورت ان کے مابین ربط نہ ہے اور نہ ہی یہ عقلی لزوم ہے۔ ہیوم کے نقطہ نظر سے ہم انسانوں کا علم "جس کے بارے مین ہم انسانوں ہی کا محکم یقین ہے کہ وہ کلی اور وجوبی قضایا کا نام ہے ناممکن ہے۔ یہ تشکیک ہے۔ فلسفہ میں شک سے آغاز کرنے کو تشکیک نہیں کہا جاتا بلکہ نتائج عدم حتمیت کو ثابت کر رہے ہوں تو یہ فلسفہ میں تشکیک کہلاتی ہے۔ فلسفہ جدید تشکیک کے بعد کی صورت حال بہت اہم اور دلچسپ ہے، عقلیت اور حسیت کے مابین کلی تضاد ہے۔ عقلیت انسان کی نسبت یہ دعوی رکھتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اس کی استعداد علمیہ یعنی عقل سمجھنے کی لا محدود صلاحیت کی حامل ہے۔ وہ کائنات کو سمجھ سکتی ہے بلکہ کل کائنات کو سمجھ سکتی ہے۔ حسیت اس دعوے کی نفی کرتی ہے کہ نہیں سمجھ سکتی بلکہ ہم انسان کچھ بھی حتمی طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ یعنی کچھ نہیں سمجھ سکتے جو کچھ سمجھ سکتے ہیں وہ بھی عادت کی کارستانی ہے۔ بعض امور کو بالتواتر یوں ہی دیکھ رہے ہیں تو عمومی قضیہ تشکیل دے لیتے ہیں مگر یہ حقیقت نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ فلسفہ جدید میں یہ ماقبل تنقید کا دور ہے، دور تنقید۔ کانٹ کا دور ہے۔ کانٹ ایک جرمن مفکر ہے اس نے پہلے خواب عقیدت میں فلسفہ پڑھا لیکن جب اسے یہ ادراک ہوا کہ تقلید فلسفہ نہیں ہے اور نہ ہی فلسفہ تقلید ہوتا ہے تو اس نے ہیوم کا محتاط مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ حقیقت ہے کہ علت اور معلول قضیہ تحلیلہ نہیں بن سکتے۔ مگر اس کے ساتھ اسے اس حقیقت کی جستجو ہوئی کہ پھر بھی اس کی نسبت شک ممکن نہیں ہے تو اس کا مبداء یقیناً حواس نہیں ہے بلکہ عقل ہے۔ گویا عقل صرف تحلیل ہی نہیں کرتا بلکہ ترکیب بھی کرتا ہے۔ وہ اس کے تعاقب میں امثلہ تلاش کرتا ہے تو ریاضی اس قسم کی ترکیب سے لبریز ہے اس کی جستجو نے یہ نتیجہ بجاطور پر دریافت کرلیا ہے تو کانٹ نے عقل کی اس ادعائیت کو دریافت کیا ساتھ ہی وہ پورے طور سے عقل کی تنقید کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور ایک عظیم الشان مکتب فکر کا آغاز کرتا ہے۔ کانٹ کی (Critque of pure Reason) اس کا اہم ترین اور عظیم ترین کام ہے۔ آئیے میں آپ کو کانٹ کے نتائج فکر کی ایک جھلک دیکھاؤں۔

کانٹ تسلیم کرتا ہے کہ میں موجود ہوں، کائنات موجود ہے، مجھ میں کائنات کا ادراک کرسکنے کی استعداد ہے، میں کائنات کا ادراک کرتا ہوں، کائنات کی تخلیق نہیں کرتا۔ میرے اندر یہ استعداد کہاں سے آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟ کائنات میرے سامنے موجود ہے تو کس لئے؟ کائنات کی ماہیت اصلی کیا ہے؟ یہ کائنات کیا ہے؟ وغیرہ سب ایسے سوالات ہیں جو اٹھائے جائیں تو جواب کس بنیاد پر دیا جائے گا؟ آخر مجھ میں ان لامحدود سوالات کے جواب دے سکنے کی کیا اہلیت ہے؟ لہذا بجائے اس کے کہ ان سوالات کا جواب تلاش کیا جائے کیا یہ ضروری نہ ہوگا کہ ہم خود اپنی استعداد علمیہ کی تحدید کرلیں؟ اور یہ دریافت کرلیں کہ وہ میری آرزوئے علم کی تکمیل میں کہاں تک معاون ہوسکتی ہیں۔ کانٹ اپنی جستجو کا آغاز انسان کے عامیانہ اعتماد سے کرتا ہے۔ اس کی جستجو کا آغاز حسِ مشترک سے ہوتا ہے، عقل اور حواس یہ دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعدادات علمیہ ہیں، وہ انتہائی محتاط تحلیل سے کام لیتے ہوئے اس حقیقت تک رسائی حاصل کرتا ہے کہ عقل شناخت کی استعداد ہے۔ حواس یافت کی استعداد ہیں۔ حواس شناخت نہیں کرسکتے۔ اور عقل یافت نہیں کرسکتی۔ ایسی یافت جس کی شناخت نہ ہو، وہ نہ موضوع علم ہے۔ اور نہ اس کا کوئی علم ہے۔ بالکل اسی طرح ایسی شناخت جو کسی یافت سے مربوط نہ ہو علم نہیں ہوسکتی۔ گویا فہم مطلق علم نہیں ہے بلکہ حقیقت کا فہم علم ہے۔ حقیقت کی یافت حواس کریں گے اور اس کا فہم عقل پیدا کرے گی۔ گویا علم "خیال نہیں ہے، علم، ہلئے نہیں ہے، علم مفروضہ نہیں، یہ سب صورتیں فہم کی ہیں خیال میں کچھ سمجھ رہا ہوتا ہوں، رائے کا بھی فہم ہوتا ہے۔ مفروضہ بھی فہم کا حامل ہوتا ہے۔ مگر ان میں سے کچھ بھی علم نہیں ہے، علم علم ہے۔ یہ مطلق فہم نہیں بلکہ حقیقت کا فہم ہے، بلاواسطہ حقیقت کا فہم علم ہے۔ اندریں صورت عقل کی بنیاد پر منطقی ربط فہم ہے مگر اس بنا پر استوار قضایا یا قضایاء علمیہ نہیں ہوتے، یعنی یہ دعویٰ تو درست ہے کہ ان کا وجود ذہنی ہے مگر یہ کہنا کہ یہ قضایا واقعی خارجی حقیقت کے ترجمان بھی ہیں۔ اس کا ترجمان ہونے کا دعویٰ حواس سے ہی صداقت یافتہ ہوگا۔

کانٹ نے عقل محض کے اس دعوے کی حقیقت کھول دی کہ وہ ماوراء حواس حقیقت کا ادراک کرسکتا ہے، کانٹ نے مطلق فہم اور حقیقت کے فہم کو متمیز کرکے تاریخ فکر کے انتہائی خطرناک التباس کو دور کردیا۔ اب یہ بات حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ مابعد الطبیعات کا نظامِ فکر۔ ایک آسمانی افسانہ ہے۔ ان کی حقیقت دیومالا سے کسی طور پر متمیز نہیں ہے۔ دیومالا حسی افسانے ہیں اور مابعد الطبیعات عقلی افسانے ہیں۔

مابعد کانٹ ہیگل اور فشٹے جرمنی میں کانٹ کے مداح ہونے کے باوجود بالخصوص فشٹے نے سب سے پہلے کانٹ کے منہاج کا کانٹ کی زندگی میں غلط استعمال کیا جس کی تردید کانٹ نے خود کی۔ مگر ہیگل نے ایک بار پھر مطلق فہم اور حقیقت کے فہم کے تمیزات کو نظر انداز کردیا۔ بد قسمتی سے دوسرے درجہ کے مفکرین نے ہیگل کو کانٹ کا تسلسل تصور کرتے ہوئے یہ فرض کرلیا کہ ہیگل کانٹ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ حالانکہ ہیگل ترقی معکوس تھا، کیونکہ وہ مطلق فہم کو مقید فہم سے متمیز نہیں کرسکا تو ماقبل کانٹ ادعائیت میں جا کھڑا ہوا، مابعد تنقید دور در حقیقت ارتقاء معکوس کا دور ہے، مشرق و مغرب میں اس حقیقت کا ادراک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند ہی مفکرین کو ہوسکا ہے، انہی معدود چند افراد میں ایک ہستی ڈاکٹر سید ظفرالحسن کی تھی، جنوبی ایشاء میں کانٹ کے مسائل کا صحیح ادراک رکھنےوالی ہستی ڈاکٹرسید ظفرالحسن اوران کے شاگردرشید سرمایہ دین وملت ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

کانٹ کادوسرااہم کام عقل عملی کی تنقید(Critique of practical reason) ہے، یہ عقل محض کی تنقید کی طرح اپنی نوعیت کامنفرد کام ہے، اس کی جانب وہ اس وقت متوجہ ہوتا ہے جب اپنے نتائج سے مابعدالطبعی حقیقت کےادراک کرسکنےکےدعوے کی نفی کرچکتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں صرف سوچتاہی تو نہیں ہوں بلکہ عمل بھی کرتاہوں۔ توعمل کیاہے؟ بالکل وہی سوال ہے کہ علم کیاہے؟علم میں وہ حقیقت کے فہم کومطلق فہم سے متمیز کرتاہےاوریہاں وہ خواہش کی تحریک سےکئےجانےوالے عمل کوحکم کی تحریک سےکئےجانےوالے عمل کومتمیز کرتا ہے۔وہ عمل جوفقط حکم کی پیروی کی نیت سےصادرہو۔اخلاق ہےاوروہ خیر مطلق ہےاوروہ عمل جوخواہش کی پیروی میں صادرہواضافی طور پر خیرہوگا یعنی اگرخواہش کی تکمیل کاذریعہ اچھا ہے توعمل اچھاہوگااوراگر ذریعہ براہے توعمل براہوگامگرحکم کی پیروی کی نیت سے صادرہونے والاعمل مطلقاًخیر ہے، گویااخلاق غیر مشروط حکم ہے۔یعنی جب یہ سوال کیاجائے گاکہ اخلاق کیاہے تواس کا جواب یہ ہوگاکہ وہ غیر مشروط حکم ہے۔اور چونکہ عمل میں معنویت نیت سےپیداہوتی ہے اور نیت کبھی مشاہدے میں نہیں آسکتی اس لئے عقل نظری میں ماوراء مشاہدہ کا علم نہیں ہوسکتاتوعقل عملی میں تحت المشاہدہ کام نہیں دےسکتا ہے، عقل عملی کی تنقیدمیں دوسرا سوال یہ ہے کہ اخلاق کیسے ممکن ہے؟ یا یوں کہیے کہ غیر مشروط حکم کیسے ممکن ہے؟اس سوال کا جواب وہ ماورائی انتزاع سے متشکل کرتا ہے کہ یہ تسلیم کیاجائےکہ اختیار ہے، ساتھ ہی حیات بعد الموت اور وجود باری تعالی کو بھی بطورمسلمات کے قبول کیاجائے،کانٹ کے مداحین نےیہاں یہ سمجھاکہ گویا وہ مابعد الطبعی حقائق کا اثبات کررہا ہےحالانکہ یہ فقط مفروضات ہیں جنہیں محض اس لئے قبول کیا جارہاہے کہ غیر مشروط حکم کے مستحق ہوسکنے کاامکان پیداہوسکے۔یہ قابل فہم ہونے کی شرائط ہیں اور کسی واقعی خارجی اور ماورائے محسوسات ہستی کے ہونے کاثبوت نہیں ہے۔

علم منظور کو محکوم کرنے کانام ہے اور عمل خیر مطلق فقط اس وقت ہوتا ہے جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکا محرک حکم ہو اور خواہش نہ ہو۔ یہ وہ مغرب کی امانت تھی جسے ڈاکٹر ظفر الحسن نے ڈاکٹر برھان احمد فاروقی کو منتقل کی، ڈاکٹر ظفر الحسن نے کانٹ کے منہاج پر معاصر نظامہائے فلسفہ کی تنقید کی جو کانٹ کے منہاج پر عقل محض کی تنقید کے بعد دوسری کتاب ہے۔ یہ (Philosohpy-A-Critique) ہے۔

ڈاکٹر فاروقیؒ کانٹ سے متاثر نہیں ہے بلکہ کانٹ کی مشکلات کا صحیح ادراک رکھنے والا مفکر ہے، جس طرح نادان لوگوں نے کانٹ پر یہ الزام لگایا ہوا ہے کہ ہیوم سے متاثر تھا۔ کانٹ ہیوم سے متاثر نہیں تھا بلکہ اس کے فکر کی مشکلات کا ادراک رکھتا تھا اور اس کی غلط فہمی کو دور کرتا ہے۔ ڈاکٹر فاروقیؒ پر کانٹ کا قطعاً کوئی تاثر نہیں ہے۔ وہ کانٹ کے مسائل کا صحیح ادراک رکھتے ہیں اور اس کے بعد اپنا سوال اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر فاروقیؒ کے فکر کا پس منظر ڈھائی ہزار سال کی تاریخ فکر کا نچوڑ ہے اس لئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمارا فکر جدید ہے اس نے غلطی کی ہے۔ یہ جدید نہیں بلکہ انتہائی جدید ہے۔

ڈاکٹر فاروقیؒ کے فکر کا پیش منظر

ڈاکٹر فاروقیؒ کی پہلی فلسفیانہ سعی "شیخ مجدد کا نظریۂ توحید" ہے جس میں انہوں نے عقل نظری کی بنیاد پر تشکیل یافتہ خدا اور شعور مذہبی اور مذہب کے عطا کردہ تصور الٰہ کے مابین تمیزات کی کامیاب جستجو کی ہے، یعنی پہلے ہی قدم پر وہ مذہب کی صداقت کو قبول کرلیتے ہیں۔ وہ مذہب کے حقائق فقط صاحب مذہب علیہ السلام کی سند پر قبول کرتے ہیں، ڈاکٹر فاروقی کی فکری جدوجہد اپنے خیال کے تراشیدہ صنم کی تشکیل نہیں تھی۔ وہ عقل کی حدود سے باخبر ہیں۔ وہ عقل پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں مگر ان حدود سے تجاوز نہیں کرتے جہاں عقل محض خلاقِ مطلق ہے، اس امر کے ادراک نے ڈاکٹر فاروقی کو تصور کائنات کی نظریہ سازی کی مہملات سے محفوظ کرلیا تھا اب ان کیلئے میدانِ عمل اور اس کی غایت کے حصول کی حتمی ضمانت کی یافت تھا۔ ڈاکٹر فاروقی سے قبل تک کی فکر علم اور عمل کے معنی متعین کرتی ہے، مگر علم کا تحقق عمل کے تحقق کو لازم نہیں کرتا۔ عمل کسی غایت کے حصول کیلئے ہوتا ہے۔ انسانی کارکردگی میں غایت ہی وہ فضیلت ہے جس کے بغیر آپ انسانی عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مشینی عمل میں امتیاز پیدا نہیں کرسکتے۔ چنانچہ اصل سوال صرف غایت کا ادراک ہی نہیں بلکہ غایت کو حاصل کرنا ہے۔ یہ غایت اگر پیغمبرانہ ہو تو کیا ہو گی؟ اور پیغمبرانہ غایت کو حقیقتِ واقعہ کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ گویا علمی جستجو کے تین مراحل ہیں۔ ہر مرحلہ بسیط سے بسیط تر ہوتا جاتا ہے، کانٹ فضائل کا تعین کرتا ہے۔ ڈاکٹر فاروقی یہ بتاتے ہیں کہ فضائل حقیقت کیسے بن سکتے ہیں۔ وہ علمیات کو اتمام عطا کرتے ہیں۔ ان کا منہاج اس لحاظ سے بہت ہی اہم ہے۔ ڈاکٹر فاروقی کے مسئلہ کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

ہماری جستجوءِ علم کا آغاز سوال سے ہوتا ہے، اور ہم حقیقت کی نسبت تین ایسے سوالات پے در پے اٹھاتے ہیں جو اپنی نہاد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متمیز نمونہ ہائے علم کے متقاضی ہوتے ہیں۔

کیا ہے؟	حقیقت موجود فی الخارج کا علم واقعی
کیا ہونا چاہیے؟	موجود فی الذہن غایت کا علم معیاری
جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیسے ہو کر رہے؟	موجود فی الذہن کو موجود فی الخارج بنانے کے لائحہ عمل کا علم غائی

ڈاکٹر فاروقیؒ ہر ایک نمونہ علم کو نو وضعی تصورات سے متمیز کرتے ہیں۔

نمبر ۱: مبداء نمبر ۲: ماہیت نمبر ۳: موضوع نمبر ۴: مسئلہ نمبر ۵: طریقہ
نمبر ۶: وظیفہ نمبر ۷: مضمرات نمبر ۸: حدودِ صحت نمبر ۹: زندگی پر اثرات

یہ ڈاکٹر فاروقیؒ کا منہاج جستجو ہے۔ ان نو حوالوں سے وہ واقعی علم کو معیاری اور غائی علم کو واقعی اور معیاری علم سے متمیز کرکے اس تاریخی توارد کو رفع کرتے ہیں جو مسلمانوں کی پوری تاریخ فکر میں بھرا پڑا ہے، درحقیقت غائی علم بنیادی طور پر ہدایت ہے ہدایت کے معنی ایصال الی المطلوب کے ہیں۔ یعنی مطلوب تک پہنچادینا۔ مطلوب کو موجود بنادینا، موجود کو مطلوب میں بدل دینا۔ یعنی کامیاب انقلاب برپا کرنے کا طریقہ اور جب آپ انقلاب برپا کرنے کے لائحہ عمل کی بات کریں گے تو وہ واقعتاً ایک تکنیک ہو گی جس سے موجود میں انقلاب واقع ہو گا اور اسے مطلوب کے مطابق بنادیا جائے گا۔ اب گویا تین مدارج ہیں۔ نمبر ۱: موجود جو واقعہ ہے میرے اور آپ کے سامنے ہے، وہ موجود حقیقت ہے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود حقیقت کے ادراک علمی کی شرط منظور کا محکوم ہونا ہے، یعنی حقیقت واقعی یہ ہے یا وہ ہے۔ حقیقت واقعی کا علم اپنے مضمرات یا شرائط کے اعتبار سے زمان ومکان حواس کیلئے اور معقولات عقل کیلئے ضروری کرتا ہے، محسوس ہونے کیلئے زمان ومکان بنیادی شرائط ہیں یعنی میں فقط اس وقت کسی حقیقت کو محسوس کرسکتا ہوں یا میرے حواس اسی وقت کسی حقیقت کے ادراک کے سزاوار ہوسکتے ہیں جب وہ زمانی ہو اور مکانی ہو۔ ناظر کے روبرو ہو۔ ناظر اس حقیقت کی یافت حواس سے کرتا ہے، اپنے روبرو موجود حقیقت کے کسی خاص پہلو کی جانب وہ توجہ مرتکز کرتا ہے اور اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ وہ اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ یہ قلم ہے، یہ کتاب ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ یہ سوال جس جواب پر منتج ہوتا ہے، وہ در حقیقت تصور ہے۔ وہ اسم ہے وہ اسم الشئی ہے یہ اسم اپنے مسمیٰ کی شناخت ہے۔ جو عقل نے دی ہے۔ شناخت کرنا عقل کا وظیفہ ہے۔ اس شناخت سے قبل حقیقت محسوس تھی۔ وہ ایک یافت تھی۔ اس کی موجودگی کا احساس حسی ادراک تھا۔ یہ حیوان کی سطح ادراک ہے۔ وہ جب تک عقلی ادراک یعنی شناخت کے دائرے میں نہ تھی علم نہیں تھا۔ وہ شناخت ہوئی علم بنی، چنانچہ علم ناظر کا منظور کو موجود فی الخارج کی حیثیت سے شناخت کرنے کا نام ہے جو اسم سے مسمیٰ کو میسر آئیگی، اب آپ محسوس کے دائرے سے نکل جائیں تو محض شناخت۔ محض فہم رہ جائے گا۔ یہ عقل محض ہے۔ عقل اپنے اس صحراء ادراک کے ہر طلسم ہوش ربا کا وحدہ لاشریک خالق ہے۔ یہاں سب کچھ عقل کی مخلوق ہے۔ خالق کو خود عقل تخلیق کرتا ہے۔ عقل نظری کا عطا کردہ خدا اس کی اپنی مخلوق ہے۔ جو ظاہر ہے مذہب کے خدا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تو آپ واقعی حقیقت کا علم محسوسات سے خارج ہو کر حاصل کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ واقعی حقیقت کا علم آپ میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ کا شعور بیدار کرتا ہے۔ یہ پسندیدہ کیا ہے۔ یہ واقعی خارجی حقیقت نہیں بلکہ واقعی خارجی حقیقت کے مقابلے میں واقعی فضیلت ہے۔ فضائل شعورِ انسانی میں مضمر ہوتے ہیں وہ حقائق کی نسبت آرزو کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ معیار ہیں حقیقت اس کے مطابق نہ ہوگی تو ناپسندیدہ ہوگی۔ یہی ناپسندیدگی اسکو بدلنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس حقیقت کو بدل کر آرزو کے مطابق بنا دینا انقلاب کہلاتا ہے۔ چنانچہ واقعی علم نے ہمیں معیاری علم تک پہنچا دیا۔ معیار ایک آروز ہے اس کی وفاداری ایمان ہے۔ وفاداری کی شدت انقلاب کی جانب متوجہ کرتی ہے، آرزو واقعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن جائے تو کیسے؟ یعنی دوسرا سوال تو یہ تھا کہ کیا ہونا چاہیے۔ یعنی آرزو کیا ہے۔ معیار کیا ہے؟ جس سے معیاری علم میسر آتا ہے، مگر تیسرا سوال بالکل ہی مختلف ہے یعنی اب جستجواس لائحہ عمل کی ہے جس سے آرزو واقعہ بن جائے۔ ایصال الی المطلوب ہوجائے۔ ہدایت میسر آجائے، یہ غائی علم کی جستجو ہے۔ یہ قرآن پاک ہے جو پیغمبرانہ آرزو کی تکمیل کیلئے نازل ہوا ہے۔ ڈاکٹر فاروقیؒ نے علمیات کے موضوع کو واقعتاً اتمام یافتہ کردیا۔ علمیات علم العلم ہے۔ اور علم کے بنیادی نمونے تین ہیں، واقعی علم، معیاری علم اور غائی علم۔ آپ ہر طرح سے جدوجہد کر لیجیئے آپ فکری سطح پر ان تین متمیز نمونہائے علم سے ماوراء نہیں ہوسکتے۔ فقط یہ نہیں کہ ڈاکٹر فاروقی نے ان تین نمونہائے علم کو دریافت کیا ہے بلکہ ہر علم کے ناقابل انکار صداقت بننے کی شرائط پورے انشراح کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر فاروقی واقعتاً تاریخ فکر انسانی کے عظیم ترین مفکر ہیں۔

آخری ایام میں راقم الحروف نے مختلف لوگوں سے رابطہ کیا کہ ڈاکٹر صاحبؒ کے علاج کی سبیل ہوسکے مگر کسی نے دلچسپی نہ لی حتی کہ ۲۔ جولائی ۱۹۹۵ء کو میاں محمد شریف صاحب سے اتفاق ہسپتال میں ملا اور گذارش کی کہ ڈاکٹر صاحبؒ کے علاج کیلئے آپ مہربانی کریں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان کو ہسپتال لے آئیے۔ ۴/جولائی کو ڈاکٹر صاحب کے دونوں صاحبزادے محترم فضل الرحمٰن صاحب اور محترم ضیاء الرحمٰن صاحب اور راقم ہسپتال میں لے گئے۔ میاں صاحب موجود تھے انہوں نے ہسپتال کے تمام اخراجات فری کردئے دوسرے دن ڈاکٹر صاحبؒ کی عیادت کیلئے جناب فیض الحسن ملک صاحب تشریف لائے۔ ملک صاحب واحد آدمی ہیں جو قبلہ استادصاحب کی بیماری کے ایام میں علاج معالجہ کیلئے حتی المقدور سعی کرتے رہے۔ ایک سال قبل ملک صاحب ہی نے ممتاز بختاور ہسپتال میں علاج کرایا تھا۔ ملک صاحب کی عیادت کے وقت میاں شریف صاحب وہیں موجود تھے۔ ملک صاحب کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو چوتھے دن پرائیویٹ روم دیا گیا اور دیگر سہولیات کے ساتھ ادویہ بھی فری کردی گئیں، راقم رات کو ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہوتا اور دن کو ڈیوٹی سے فارغ ہو کر پھر حاضر خدمت رہتا۔ حتی کہ ۱۴/جولائی کی رات کو جب میں تنہا موجود تھا تو ڈاکٹر صاحب کی تکلیف میں شدت آگئی تقریباً رات ۲ بجے کچھ آفاقہ محسوس ہوا تو بندہ لیٹ گیا۔ ۵ بجے اٹھا اور پھر کھڑا رہا۔ اس عرصے میں استاد محترم جواب میں فقط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر ہلاتے تھے۔ ۹ بجے صبح ضیاء الرحمن صاحب آئے تو راقم جمعہ نماز کیلئے کپڑے بدلنے اور غسل کرنے کی وجہ سے چلا آیا اور ۲ بجے جب واپس ہسپتال پہنچا تو کمرے میں اس کریم ذات کو نہ پایا۔ فوراً نرس سے دریافت کیا تو اس نے موت کا سرٹیفکیٹ راقم کے ہاتھ میں پکڑا دیا پھر کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اپنے محبوب استاد کی موت پر گزرنے والے صدمے کو رقم نہیں کرسکتا، گھر پر پہنچے، پھر غسل اور کفن کا انتظام کیا گیا، رات نو بجے کے بعد راقم کے یوم اول کے ساتھی اور استاد بھائی حافظ طارق محمود صاحب اعوان نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور تقریباً رات کے دس بجے وہ آسمان زیر زمین چلا گیا، قوم نے رونا دھونا شروع کردیا آپ پر مضمون لکھے گئے، خیر خواہوں نے اور بد خواہوں نے سب کچھ لکھا مگر وہ کچھ نہ لکھ سکے اور نہ لکھ سکتے تھے جو کچھ وہ ہستی تھی۔ بلند کردار، بلند وقار عظیم نہیں عظیم ترین مفکر۔ جسے سمجھا جاسکتا ہے تو فقط کلمہ طیبہ کی غیر مشروط وفاداری سے سمجھا جاسکتا ہے بجا طور پر راقم کہہ سکتا ہے اور کہتا ہے

منم آنکہ جدِ گرامیم براہت سرش بہ نثار زد
نہ من آنکہ بر راہے دیگراں قدم تواں بہ غبار زد

© rasailojaraid.com